نوٹ: داستان پاک سوسائٹی کے لیے لکھی گئی خصوصی تحریر ہے۔

دوسری قسط

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ اسے نظر نہیں آئی تھی۔جیت کا جشن ابھی بھی جاری تھا اگرچہ دشمن کے دوبارہ حملے کا خطرہ بھی پورا تھا۔

اس نے صبح کے خوش رنگ اجالے میں خود کو دریا کی سبز لہروں کے حوالے کر دیا۔جاڑے کے دنوں کا آغاز تھا مگر پانی ابھی سے برف ہو رہا تھا زخموں پر نیزوں کی طرح لہریں پھرتی تھیں۔کپڑے پہن کر جب وہ قلعے کی طرف آرہا تھا تو وہ اسے پھر کچھ عورتوں کے ساتھ نظر آئی تھی۔

"نام کیا ہے تمہارا۔"وہ جو لکڑیاں جلا کر ان میں پھونک مار رہی تھی کہ ساری لکڑیاں اچھی طرح آگ پکڑ لیں یکدم چونکی، سر اٹھایا تو سورج آنکھوں میں داخل ہوا تھا پل بھر کے لیے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

"ایزابیلا۔"اس نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دلکش مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ایک پل کے لیے وانو کا دل ڈولا تھا۔

اسی وقت ایک سپاہی گلا پھاڑتے کچھ کہتے منظر میں ابھرا،وہ بھاگتا ہوا آرہا تھا۔

"حملہ۔۔۔حملہ ہوا ہے۔" وہ لوگ دوبارہ زرہ پہننے کے لیے دوڑے۔یکدم وہاں بھگدڑ مچ گئی۔وانو نے زرہ پہن کر تلوار سنبھالی اگلے کچھ لمحوں میں وہ گھوڑے پر تھا۔حملہ آور زیادہ نہیں تھے مگر

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

آج نقصان ذیادہ ہورہا تھا شاید یہ غفلت اور آرام کی حالت میں آ جانے کی وجہ سے ہوا تھا۔چوتھا سر اتارتے ہوئے اسے ایزابیلا نظر آئی وہ کچھ عورتوں کے ساتھ مل کر زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کر رہی تھی۔جو مر چکے تھے ان کو ایک طرف بھی کرتی جارہی تھی۔

کچھ دیر میں جب حملہ آوروں کا دم خم ٹوٹا تو سب نے سکھ کا سانس لیا۔وہ جا چکے تھے مگر ان کا لشکر اب بھی چوکنا ہو کر بیٹھا تھا کہ کہیں پھر پلٹ نہ آئیں یا کوئی تازہ دم دستہ نہ آن موجود ہو۔

سپہ سالار نے بادشاہ کو مزید سپاہیوں اور جنگی ہتھیاروں کے لیے خط روانہ کر دیا تھا۔

اور یونہی دل پر ساتھیوں کی موت کا بوجھ لیے چوکنا ہو کر ہاتھوں میں تلواریں تھامے ، گشت کرتے کبھی ٹھہرتے شام ڈھل آئی۔

"اب وہ نہیں لوٹیں گے۔جیت ہمارا مقدر ہوئی۔" سپہ سالار نے اعلان کیا۔

اسی شام قلعے کی دیواروں میں ڈھول کی تھاپ کی لہریں جذب ہوتی تھیں، ساز اس تھاپ کی موسیقیت کے آگے بے بس ہو گئے تھے۔۔۔وانو وجد کی کیفیت میں اسے بجارہا تھا اور ایزابیلا رقص کر رہی تھی۔سب کچھ رک گیا تھا ، منجمد ہو گیا تھا وہاں موجود لوگ، وقت، ہوا ، آسمان کی گردش۔ستارے حیران ہو کر یہ منظر دیکھتے تھے۔۔۔اور جب اس کے ہاتھ تھمے اسی پل جیسے کسی نے پلے کا بٹن دبایا تھا۔

ایزابیلا تھکن سے گر گئی تھی مگر مسکرا رہی تھی۔

"ممکن ہے کل ہم ان کو پچھاڑ دیں مگر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ہم پر فتح پالیں۔"

"تو۔" ایزابیلا کو یہ بات کرنے کا مقصد سمجھ نہیں آیا تھا۔

"ظاہر ہے یا تو ہار ہوتی ہے یا جیت جنگ میں اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔"

"میرا مطلب ہے تم اپنی جان خطرے میں کیوں ڈال رہی ہو۔۔۔اپنے گاؤں لوٹ جاؤ۔"

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

یکدم دل کی ایک دھڑکن غائب ہوئی تھی اس کے یوں فکر کرنے پر جو اپنے ہاتھوں میں مشکیزے سے پانی ڈال کر بالوں میں پھیر رہا تھا۔

"میرے ماں باپ کو ان لوگوں نے کس درندگی سے مارا ہے تم جان جاتے تو کبھی یہ نہیں کہتے۔۔۔"یکدم ماں باپ کو یاد کر کے آزردگی سے اس کا چہرا سرخ ہوا تھا غصے کی آگ سے نتھنے پھولنے لگے تھے۔وہ جواب میں کچھ نہیں بولا تھا۔

"میں قربانی دینے کے لیے تیار ہوں۔۔۔ہر قسم کی۔"

"کس قسم کی؟"

"جیسے پرومیتھیس نے دی تھی آگ چرا کر۔۔۔زوراب نے دی تھی قلعے کی دیوار میں خود کو چن کر تاکہ قلعہ قائم رہ سکے۔۔۔ نینو نے دی تھی اپنی زندگی تیاگ کر۔۔۔"اسے یکدم ایما کی یاد آئی تھی نگاہیں سامنے درخت پر جم گئیں جس سے سفید پھول گر رہے تھے وہ ان دنوں ان پھولوں کے گلدستے بنایا کرتی تھی۔وہ بغیر کچھ کہے وہاں سے آگے بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

ایلَن کو کچھ ہفتوں سے شک ہو رہا تھا پر یقین نہیں تھا کہ ایما ان کی حکم عدولی کر سکتی ہے۔ایسا کبھی ہوا نہیں تھا کہ ایلَن نے اسے کوئی بات کہی ہو اور اس نے نہ مانی ہو پر آج جب وہ کھیت سے سبزیاں توڑ کر واپسی آ رہی تھیں اسے ایما

آگے جاتی دکھائی دی تھی پھر انہوں نے دیکھا وہ گھر جانے کے بجائے ایلیجا کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا رہی ہے۔ دماغ ایک دم ابل پڑا تھا انہوں نے دور سے ہی اونچی آواز میں اسے ڈانٹتے ہوئے پکارا۔ایما یکدم کی اس افتاد پر گھبرا گئی تھی۔ایلَن کو کو اتنا طیش اور خوف محسوس ہوا تھا کہ وہ تقریباً اسے گھسیٹتی ہوئی گھر لیکر آئی تھیں۔

دھوپ میں اس پانی والی گھڑی کی چمک دیوار پر عکس ہو رہی تھی۔۔۔وہ عکس اس کی آنسوؤں بھری آنکھوں میں بھرتا جا رہا تھا۔ماں کو دھوکہ دینے کا دکھ۔۔۔ایلیجا سے بات نہ کر پانے کا دکھ۔۔۔

"چلو اٹھو کھانا کھا لو آکر۔" آخر شام کو ایلَن کو اس پر ترس آ ہی گیا تھا۔اس نے بے چوں چراں خاموشی سے ماں کے حکم کی تعمیل کی تھی۔کھانے کے بعد ایلَن اسے علاقے کے طبیب کے پاس لیکر گئی تھیں۔ اس نے ایما سے کچھ سوالات کرنے کے بعد انہیں تسلی دی اور ایما کو خوب جھڑکا ۔واپسی پر وہ ماں کے ساتھ مضمحل قدموں سے چلتی تھی۔گھر جاتے سمے ایلیجا کے کمرے سے جھانکتی چراغ کی اداس زرد روشنی اور چوگور کی مدھم آواز ۔۔۔اس کے دل سے ہوک اٹھنے لگی ۔

"وہ مر جائیں گے۔" وہ ساتھ چلتے ہوئے سسکی تھی۔

ایلَن کا دل اس کے یوں سسکنے پر رو دیا، وہ رکیں اور اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"اگر ان کو تنہا چھوڑا تو وہ جلد مر جائیں گے۔" ایما بلک رہی تھی۔

اسے اپنی ماں سے کبھی کوئی گلہ کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی حتٰی کہ کبھی اس کے ڈانٹنے پر بھی نہیں ۔اس کی اتنی نرم دل ماں اس معاملے میں اتنی سخت دل کیسے ہو گئی تھی وہ نہیں سمجھ سک رہی تھی۔ایلیجا مر رہے تھے اور کوئی کچھ نہیں کر رہا تھا رسودان بھی نہیں۔اس نے اکثر صبح کے وقت اسے اس کمرے کے آس پاس منڈلاتے دیکھا تھا مگر وہ بھی اندر جانے کی ہمت نہیں کر سکی تھی۔وہ اکثر دروازے پر پھول رکھ جاتی تھی جسے ایما ہی اٹھا کر اندر رکھتی تھی۔

"تمہارے یہاں روز آنے سے میرا مرض ٹھیک نہیں ہو سکتا ایما۔۔۔سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ تم اس مرض کا شکار ہو جاؤ گی۔" وہ اس کو منع کر کر کے تھک گئے تھے اور آج انہوں نے اندر سے دروازے کو تالا لگا دیا تھا وہ مسلسل بجائے جا رہی تھی۔

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

" مجھے ایسی زندگی نہیں چاہیے جس میں میں آپ کو تنہا موت کے منہ میں جاتے ہوئے دیکھوں۔" وہ کھٹکھٹا کر جب تھک گئی تو وہیں باہر چوکھٹ پر بیٹھ گئی تھی۔کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔اس نے دیکھا ان کا جسم ارتعاش میں تھا وہ سمجھے تھے کہ وہ جا چکی ہے۔اس نے اسی پل چھلانگ لگائی اور کمرے میں داخل وہ گئی وہ اسے غیض وغضب سے دیکھ رہے تھے جبکہ وہ نظر انداز کیے ان کے لیے لایا ہوا کھانا کھولنے لگی۔

"میں جب نہیں ہوں گا تب بھی یہیں ہوں گا تمہارے پاس۔"وہ ہارے ہوئے انداز میں بمشکل چلتے ہوئے بستر میں آ دبکے۔پتا نہیں سردی میں شدت تھی یا وہ حد سے زیادہ کمزور ہو گئے تھے۔

"میں جانتی ہوں۔"اس نے کھانا ان کے سامنے رکھا۔

" یہ جسم ہے جسے کچھ کھاتا جا رہا ہے۔۔۔میں نہیں جانتا کیا مگر روح قائم ہے۔۔۔پیدا ہونے سے پہلے بھی تھی اور مرنے کے بعد بھی یہ موجود رہے گی۔موت کی سیاہ ہوا اسے یہاں سے دور ستاروں میں کہیں لے جائے گی اور میں تمہیں وہاں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"وہ کہیں خلا میں دیکھتے تھے۔

اس نے بے اختیار ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"مجھے ڈر نہیں لگتا۔۔۔جدائی کا غم ہے۔۔۔مگر خوف نہیں ہے۔۔۔تب بھی نہیں اگر میرا جسم مٹی کھا جائے اور اس پار کچھ نہ ہو۔"وہ بے حسی سے بولے تھے۔

"یہ غم تو سب کو سہنا ہے ایک دن۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا حتٰی کہ سوال بھی نہیں تھا بس غم تھا۔۔۔ایک غم جو مسلسل تھا۔

"کون اس سے بری ہے۔۔۔ تو پھر اس غم کو ایسے گلے لگالو ایسے مانوس کر لو خود سے کہ یہ

غم۔۔۔ غم نہ رہے۔" ایلیجا نے شاید اسے دلاسہ دینے کی کوشش کی تھی۔

ایلَن کو کو پتا لگنے کے بعد اسے ایلیجا سے ملے ہوئے آج پندرہ دن ہو گئے تھے۔ صبح وہ مضمحل قدموں سے چلتے آخری ملاقات یاد کرتے جب چرچ پہنچی اس نے رسودان کو چرچ کے پچھلے احاطے میں بیٹھے زارو قطار روتے ہوئے دیکھا۔

وہ دعا کے بعد جب باہر نکلی تب بھی وہ وہیں موجود تھی۔ ایما گھر واپس جانے کی بجائے اس کے ساتھ آکر بیٹھ گئی شاید ایک وہ ہی تھی جو اسی کرب میں تھی جس کرب میں وہ خود مبتلا تھی۔

رسودان نے سر اٹھا کر اس کو ایک نظر دیکھا۔

"کیا کچھ نہیں ہو سکتا؟"

"پتا نہیں۔۔۔ وانو ہوتا تو۔۔۔"

اس پل یکدم اس کے ذہن میں بجلی کا کوندا لپکا تھا۔ وانو کے ذکر سے اسے جوزف کا خیال آیا تھا وہ پچھلے کچھ ماہ سے نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا؟" رسودان نے حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے کچھ ضروری کام یاد آیا ہے۔۔۔ میں چلتی ہوں۔"

"یہ ایلجا کے لیے۔" رسودان نے ایک سرخ گلاب اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ ایما نم سا مسکرائی اور دوڑتے ہوئے پہلے ایلیجا کو پھول تھمایا۔ اتنے عرصے بعد اس کو اچانک سامنے دیکھ کر ان کا وجود آنسو میں تبدیل ہو گیا تھا۔

"یہ رسودان نے دیا ہے۔۔۔" اس نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیکر لرزتی آواز میں کہا۔

باقی باتیں میں ابھی آتی ہوں پھر۔" وہ ہاتھ چھوڑ کر پلٹی اور چوکھٹ پار کر گئی۔"

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

☆☆☆☆☆☆☆☆

تیسری بار دروازہ کھٹکھٹانے پر دروازہ کھل گیا تھا۔جوزف نے کھانستے ہوئے دروازہ کھولا۔

"کیا ہوا؟"وہ اسے دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

"آپ اتنے مہینوں سے کہاں غائب ہیں۔۔۔اب گھر بھی نہیں آتے۔"وہ اس کی دعوت کے بغیر اندر گھس آئی تھی۔

"اوہ۔"وانو کی طرح وہ بھی دائیں طرف دیوار دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئی تھی۔

"یہاں قریب ہی ایک عزیز کی طرف گیا ہوا تھا۔کچھ دن ہوئے ہیں لوٹا ہوں پھر طبیعت بھی ناساز تھی۔"

"آپ جانتے ہیں ایلیجا کتنے بیمار ہیں۔"

وہ اس کے کہے بغیر وہاں نیچے قالین پر بیٹھ گئی تھی۔ہلکی دھوپ میں زمین پر بچھا سرخ قالین غمزدہ سا لگتا تھا۔وہ گہرا سانس لیتے ہوئے اس کے سامنے آ بیٹھا۔

"یقیناً کوئی بات ہے۔"اندر ہی اندر بڑبڑایا۔

"ہاں کچھ بھنک تو پڑی ہے۔"

"وہ مر رہے ہیں۔"وہ رونے لگی تھی آنسو ضبط کرنا مشکل تھے۔

"مجھے دکھ اور افسوس ہے۔"

"مجھے وانو نے بتایا تھا۔۔۔آپ کے پاس شفا کے خزانے کا نقشہ ہے۔"اس نے بغیر کسی تمہید کے کہا تھا۔

وہ بدک گئے۔

"جھوٹ بول رہا ہے وہ۔"

"وانو جھوٹ نہیں بولتا اور مجھ سے تو بالکل نہیں۔" تیوری چڑھا کر روتے ہوئے ہی اس نے تیز لہجے میں کہا تھا۔

"خدا کے لیے۔۔۔یسوع کا واسطہ ہے آپ کو۔۔۔مہربانی کریں۔" وہ منتوں پر اتر آئی تھی۔

"مگر وہ راستہ اور جگہ اتنی دشوار ہے کہ تم مر سکتی ہو۔"

"اگر کسی اپنے کو بچانے کے لیے جان چلی جائے مجھے اس کی خوشی ہو گی۔"

"مگر میں تمہاری جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔" وہ یکدم غصے میں کھڑی ہوئی تھی۔

"اگر آپ نے اس وقت مجھے وہ نقشہ نہیں دیا تو میں۔۔۔" اس نے مٹھی بند کر کے غصے میں اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"میں وہ نقشہ چوری کر لوں گی۔۔۔بلکہ سارے نقشے۔۔۔اور پورے گاؤں میں ان کی نقل بنا کر بانٹ دوں گی۔۔۔۔"

وہ کچھ دیر اس کا غصے سے سرخ چہرا اور لرزتا وجود دیکھتا رہا پھر اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا اور دیوار میں بنے تیسرے خانے سے ایک بوسیدہ کاغذ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"یہاں سے کئی سو میل کی دوری پر ایک غار ہے لاکھوں سال قدیم۔۔۔جس کے اندر دریا بہتا ہے وہاں کا پانی اور جڑی بوٹیاں شاید ایلیجا کو شفا دے دیں۔"

ایما کو یقین نہیں آیا تھا کہ جوزف نے اسے واقعی وہ نقشہ دے دیا ہے۔کچھ دیر وہ یونہی کھڑی رہی پھر اس کے بوڑھے ہاتھوں پر بوسہ دیا تھا۔

"شکریہ۔" اس کی آواز لرز کے رہ گئی۔وہ تشکر کے بوجھ تلے پورا لفظ بھی صحیح سے ادا نہیں کر سکی تھی۔

"مگر یہ راستہ بہت کٹھن ہے۔۔۔" جوزف پریشانی سے کہہ رہا تھا۔

"تم وہاں پہنچ سکو گی یا نہیں یہ میں نہیں کہہ سکتا۔۔۔اور غار کے اندر داخل ہونے کے بعد واپس سلامت باہر نکل سکو گی یا نہیں۔وہ جگہ ریچھوں،لومڑیوں اور چمگادڑوں کا مسکن ہے۔

وہ بغیر کچھ کہے دروازے کی طرف مڑی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

"رسودان تمہیں ایلیجا کا خیال رکھنا ہے۔۔۔مجھے پتا نہیں کتنا وقت لگے گا شاید ایک ماہ یا اس سے زیادہ۔۔۔تمہیں انہیں زندہ رکھنا ہے۔"

"میں یہ۔۔۔یہ سب کیسے کروں گی۔"

"ایک پھول سے۔۔۔اور بس۔اتنا کافی ہے۔"

"کیا وہ پھول اتنا معنی رکھتا ہے۔"

"ہاں۔۔۔"وہ مسکرائی تھی۔

"مگر تم اکیلے نہیں کر سکتی یہ سب۔۔۔"رسودان کا رنگ زرد پڑ رہا تھا۔پورے گاؤں میں بس وہ اور جوزف اس بات سے آگاہ تھے۔

"میں جانتی ہوں مگر مجھے پھر بھی جانا ہے اور اگر میں نہ گئی اور ایلیجا کو کچھ ہو گیا تو میری محبت کا ہر دعوٰی جو میں نے ان سے کیا وہ جھوٹا ہے۔"

"تمہاری تعلیم ادھوری رہ جائے گی۔۔۔فادر کبھی تمہیں واپس نہیں رکھیں گے۔"

"جانتی ہوں۔" اس نے درخت سے سفید پھولوں کو گرتے دیکھا۔

"وانو۔۔۔"رسودان سسکی تھی۔اسے یقین تھا کہ ایما لوٹ کر نہیں آسکے گی۔اتنی سی بچی اتنا لمبا سفر اور اتنی خطرناک جگہ۔

"میں نے رات اسے پیغام بھیجا ہے۔"اس نے رسودان کے کمرے میں عجیب غمناکی محسوس کی

تھی۔

"وہ پیغام تو جانے کب اسے ملے۔" رسودان رونکھنی ہو رہی تھی۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا اسے کیا کرنا چاہیے۔

"میں نے خط نہیں لکھا۔"

"پھر۔" وہ حیران ہوئی تھی۔

ایمانم سا مسکرائی۔"اب مجھے جانا ہو گا۔"

وہ ٹھٹھرتی ہوئی رسودان کے گھر سے باہر نکلی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

کپڑے کی گٹھری میں چند روٹی کے ٹکڑے، چرچخلا ، ابلے ہوئے انڈے ، دو لباس، گندھک اور چونے کا پانی، آگ جلانے کے لیے پتھر اور چند مزید ضروری اشیا رکھ کر اس نے گٹھری کو سختی سے رسی کے ذریعے باندھا تھا پھر اسی رسی سے نقشے اور مشعل کو بھی باندھ دیا۔ماں کب کی سو چکی تھی مگر پھر بھی وہ احتیاط برت رہی تھی اس نے دیا جلائے بغیر چمڑے کے مشکیزے میں پانی بھرا۔گھڑی اور مشکیزہ کمر پر دونوں جانب باندھ کر اس نے خط چولہے کے پاس رکھا۔ماں پڑھنا نہیں جانتی تھی مگر اس کو نہ پا کر وہ کسی سے پڑھوا لے گی ۔۔۔رسودان اور جوزف کو اس نے منع کیا تھا کہ وہ کئی دن تک ایلَن سے نہ ملیں ورنہ وہ کسی کو اس کے پیچھے ضرور بجھوا دیں گی۔وہ ورد کرتی یسوع کا نام لیتی گھر سے باہر نکل آئی۔

جوزف کے گھر تک کا راستہ اس نے پیدل طے کیا تھا وہاں وہ اس کا گھوڑے سمیت انتظار کر رہا تھا۔

"اس کا نام کارا ہے۔" جوزف نے باگ اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

"قافلے کے مِیر سے میری بات ہو گئی ہے۔۔۔اپنا خیال رکھنا۔" آخر میں وہ جذباتی ہوا تھا اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"شکریہ۔" ایما بس اتنا ہی کہہ سکی تھی۔کچھ لوگوں کا احسان ہم زندگی بھر نہیں اتار سکتے۔

"جب یہ چلنے سے انکار کر دے تو اس کی پیشانی سہلانی ہے، روکنا ہو تو "ارا" کہنا ہے اور چلنے کے لیے "دیاخ" کہنا ہے۔" اس نے گھوڑے کے متعلق اسے کچھ ضروری معلومات دی تھیں۔

"بیماری کی صورت میں قافلے میں سے کسی سے مدد لے لینا اور یہ رکھ لو۔"

"یہ سِکّے۔۔۔نہیں یہ میں نہیں۔۔۔"

"اسے خرچ کرنے کا نہیں کہہ رہا صرف احتیاطاً رکھنے کا کہہ رہا ہوں اگر تمہیں نئے گھوڑے یا کسی اور چیز کی ضرورت پڑے نہیں تو واپس لے آنا۔"

تشکر کے احساس سے وہ اتنا مغلوب ہوئی تھی کہ کچھ دیر بول نہیں سکی تھی۔

"کیا پتا میں لوٹ نہ سکوں۔" وہ گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے بولی تھی۔

"تم لوٹو گی یہ میرا یقین ہے۔" وہ نم آنکھوں سے مسکرایا تھا۔

اس نے الوداعی نظر جوزف پر ڈالی باگیں کھینچیں اور انجان منزل کے راستے کی مسافر ہو گئی۔ ستاروں کی چمک ابھی ماند پڑنا نہیں شروع ہوئی تھی اندھیرا گہرا تھا۔اتنے اندھیرے میں چلنا دشوار لگ رہا تھا۔اس نے ساتھ لائی مشعل روشن کی اور آگے بڑھنے لگی۔اسے تبلیسی کی طرف جاتے قافلے میں ملنا تھا جو جوزف کے مطابق یہاں سے کچھ دوری پر تھا۔وہ دل میں ورد کرتی ڈیوڈ سے مدد مانگتی آگے بڑھتی گئی تھی دل خوف سے لرز رہا تھا۔۔۔بار بار ماں کا چہرا آنکھوں میں گھومتا تھا۔تھوڑی دیر بعد گھنٹیوں کی آواز سنائی دی تھی اس کا دل خوشی سے دھڑکا اس کا مطلب تھا قافلہ نزدیک ہے۔اس نے مشعل بجھا کر گھوڑے کی رفتار بڑھائی تھی۔

تاریکی میں ابھرتی ہلکی روشنی میں چمکتا تھا۔ گھوڑے کی پیشانی پر بنا چاند

کچھ دیر میں وہ قافلے سے جا ملی۔

کچھ ہی دیر میں کارا اس سے یوں مانوس ہوا تھا جیسے اک عمر سے اس کے ساتھ ہو۔جوزف کا گھوڑا جوزف کا دیا ہوا نقشہ اور جوزف کا دوست میر کارواں۔ قافلے میں جا ملنے کے بعد تیزی سے کارا کو دوڑاتی اس تک پہنچی تھی۔اس کو جوزف کا دیا خط پکڑایا اور واپس پیچھے کی طرف آ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے مسلسل سفر میں تھے۔پہاڑوں کے درمیان ٹھٹھرتے راستوں میں، ساتھ ساتھ دریا کے سبز پانی بہتے تھے جس کا پاٹ چند فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔

وہ اب تھکنے لگی تھی اگرچہ اونی کپڑوں سے سردی جسم پر اثر انداز نہیں ہو رہی تھی مگر حلق خشک ہوتا جا رہا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی ایسا کیوں ہو رہا ہے۔پانی اگرچہ ساتھ ساتھ پی رہی تھی۔اس نے چلتے چلتے ہی ساتھ لائی روٹی کو دانتوں سے کترنا شروع کیا ہی تھا کہ میر کارواں نے قافلے کی استراحت کا عندیہ دیا۔سب آرام کی غرض، کھانے پینے اور دوسری حاجات کے تحت ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔ایما نے ایک درخت کے ساتھ کارا کو باندھا وہ فوراً گھاس پر جھک گیا۔خود وہ اسی درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ دوپہر کا وقت تھا مگر منجمد کر دینے والی ٹھنڈ تھی۔دریا کے پانی سے سب باری باری تازہ دم ہو رہے تھے۔

"ماں۔" اس کے منہ سے سسکی نکلی تھی۔

وہاں انہوں نے رو رو کر برا حال کیا ہوا تھا۔خط وہ اسی وقت لیکر گئی تھیں اور فادر سے پڑھوا لیا تھا جس میں ایما نے ان سے کہا تھا کہ وہ قریب ہی کسی گاؤں میں علاج کی تلاش میں جا رہی ہے اور جلد لوٹ آئے گی۔

انہوں نے گاؤں کے کئی لوگوں کو اسے ڈھونڈنے بھیجا تھا مگر وہ ناکام واپس لوٹ آئے تھے۔

"ماں۔۔۔"

سفر کرتے کرتے رات اتر آئی تھی اور وہیں ویرانے میں پہاڑ کے دامن میں رکنے کا حکم ہوا تھا۔ اتنی گہری خاموشی تھی کہ ہلکی سی ہوا کی آواز بھی محسوس ہوتی تھی قریب بہتے دریا کی موسیقی بھی فضا پر حاوی تھی۔ اس نے کھانے کے لیے چرچخلا نکالا۔ سارا دن وہ بچا بچا کر کھاتی رہی تھی پھر اسے پھلوں، کچی سبزیوں پر گزارا کرنا تھا یا کسی کا کام کر کے اجرت کے طور پر خوراک لینی تھی۔ ستاروں کی دمکتی چھایا میں اس نے نقشے پر سنہرے پانی سے بنے نقش چمکتے دیکھے انہیں دھیرے سے چھوا۔

"ابھی منزل بہت دور ہے۔۔۔

ایلیجا کیا کر رہے ہوں گے۔۔۔ کیا میں واپس پہنچوں گی تو وہ زندہ ہوں گے۔۔۔ اور کیا میں زندہ واپس پہنچوں گی۔۔۔"

اس نے کچھ دوری پر سوتے بچوں کو دیکھا جو اپنی ماں کے ساتھ لپٹے ہوئے تھے۔ پھر گٹھری کو سینے سے لگا کر کھیس سے مکمل خود کو ڈھانپا۔

میں راہبہ نہیں بن سکوں گی۔" نیند کی وادی میں اترنے سے پہلے یہ اس کی آخری سوچ تھی۔

قافلے میں زیادہ تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی۔ کچھ مرد ہاتھوں میں نیزے اور تلوار لیے چلتے تھے تاکہ ڈاکوؤں لٹیروں کے حملے سے بچا جا سکے۔ گھوڑوں اور خچروں پر لدا سامان جس کے بوجھ تلے جانوروں کی رفتار سست ہو جاتی تھی، گھنٹیوں کی آوازیں، بغیر پتوں کے سیاہ درخت، سیاہ پہاڑوں کے سلسلے دور سے نظر آتے کوہ قاف کے پہاڑ کبھی بادلوں میں چھپ جاتے اور کبھی سامنے جلوہ نما، زمین کے سنہری قطعے، کچھ پہاڑیوں دمکتے تھے جیسے سونے کے بنے ہوں۔

ان کو چلے ہوئے تین دن ہو گئے تھے آخر ایک گاؤں قریب آیا تھا۔ چند گھروں پر مشتمل چھوٹی

سی آبادی۔

ایمانے گھوڑے کو گھاس چرنے کے لیے چھوڑ دیا لیکن اسے نظروں میں رکھے ہوئے تھی۔وہاں قریب لگے درخت سے ناشپاتی اتار کے ابھی وہ کھانے بیٹھی تھی کہ کسی آواز نے اسے چونکایا تھا۔

"تم نے اسے دیکھا ہے؟"

"کسے ؟"اس نے حیران ہو کر اس حسین لڑکی کی نیلی آنکھوں میں بھرے آنسوؤں کو دیکھا۔وہ تو یہاں پہلی بار آئی تھی اور لڑکی اس سے ایسے سوال کرتی تھی جیسے اسے آتے جاتے ملتی ہو۔

"اس کا قد اس درخت جتنا تھا۔"وہ سامنے درخت کے قریب گئی اور چھو کر بولی۔۔۔

"آنکھیں ۔۔۔اس رنگ کی تھیں۔"اس نے مٹھی کھولی اس میں ایک چھوٹا سا سرمئی پتھر تھا۔

"اور۔۔۔اور اس کی طرف دیکھ لینے کے بعد کہیں اور دیکھا نہیں جا سکتا۔"

"ایسے تو کئی لوگ ہوں گے۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں وہ ایک ہی ہے۔اس جیسا اور کوئی نہیں اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔۔۔میں اس کو بہت دنوں سے ڈھونڈ رہی ہوں۔میں۔۔۔مجھے لگتا ہے میرا دل کبھی اپنی حالت پر لوٹ کر نہیں آئے گا۔یہ شعلہ فشاں ہو گیا ہے۔"

"یہ پاگل ہے۔۔۔"میر کارواں کا منجھلا بیٹا اس کے قریب آیا تھا۔

"شش۔۔۔ شش۔۔۔بھاگو۔"اس نے اس مہ جبیں کو دھکیلا۔

"تم پریشان مت ہو ہر ایک سے یہی پوچھتی ہے۔۔۔ہم جب بھی یہاں سے گزرتے ہیں۔۔۔اماں کہتی ہے اس پر سایہ ہے۔"

ایمانے جواب نہیں دیا تھا۔ایک تاجر جو قافلے میں تھا ساتھ لائی ترکی زبح کر رہا تھا اس کی بیوی لکڑیاں جلا کر اسے بھوننے کی تیاری میں تھی۔باقی کی ترکیاں اور مرغیاں ادھر ادھر گھومتی پھر رہی

تھیں۔ گھوڑے، خچر گھاس پر جھکے ہوئے تھے۔اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے فضا میں خون کی بو محسوس کی تھی سر درخت کے تنے سے ٹکا دیا اور کچھ دیر کے لیے آنکھیں موند لیں۔۔

شام کو اس نے گاؤں کی ایک عورت کے سامنے اپنی خدمات پیش کی تھیں کہ وہ اس سے کوئی کام کروالے وہ مان گئی تھی۔اس نے کچھ دیر میں اسے کھیس کا بڑا حصہ بن کر دیا تھا جس کے بدلے دودھ لیا تھا۔

قافلے میں ساتھ چلتی عورتیں اس سے بار بار پوچھنے کی کوشش کرتی تھیں کہ وہ کہاں جا رہی ہے کہاں سے آئی ہے مگر وہ جواب نہ دیتی تھی۔

تھکن، ماں سے جدائی، ایلیجا کی فکر اسے نڈھال کرتی تھی۔

اسی گاؤں میں انہوں نے رات بسر کی تھی۔نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی اور ابھی دوسرا پہر شروع ہوا تھا۔اس نے چراغ روشن کیا اور ایلیجا کے ہاتھ سے لکھے چرمی کاغذ کھولے اس وقت جب تمام قافلے والے نیند کی گہری سبز وادیوں میں کہیں گھومتے پھرتے تھے ان پلوں میں وہ ایک واجبی شکل کا فربہ بزرگ اس کے سامنے یونان کے قید خانے میں اپنے شاگردوں کے ہمراہ گفتگو کرتا آن موجود ہوا تھا۔

"زمین بے انتہا خوبصورت اور عجب قطعوں کا مجموعہ ہے۔۔۔یہ زمین آسمانوں کے مرکز میں ہے۔اس کو وہاں قائم رہنے کے لیے کسی طاقت یا ہاتھ کی ضرورت نہیں ہے ۔۔۔اس کو اپنا اور آسمانوں کا توازن گرنے نہیں دیتا۔"

"توازن۔۔۔" وہ دھیرے سے بڑبڑائی تھی۔

"مجھے یقین ہے یہ زمین بے حد وسیع ہے۔۔۔ہم تو بہت چھوٹی سی جگہ پر رہتے ہیں جیسے کسی دلدل میں رہنے والا مینڈک یا کیڑے۔لیکن اصل زمین اوپر کہیں آسمانوں میں ہے۔۔۔وہاں بھی ستارے

ہیں۔۔۔

اور یہ زمین۔۔۔ ہمیں لگتا ہے کہ ہم زمین کے اوپر رہتے ہیں۔۔۔ یہ بالکل ایسے ہیں جیسے سمندر میں رہنے والی مخلوق سمجھتی ہے کہ وہ سطح پر ہے اسے وہاں سورج اور ستارے اور آسمان نظر آتے ہیں مگر ایسا حقیقت میں نہیں ہوتا۔

بالکل اسی طرح ہمیں ہوا آسمان لگتی ہے اور ستارے اس میں گردش کرتے نظر آتے ہیں جبکہ اگر ہم مچھلی کی طرح سطح پر آکر سر اٹھا کر دیکھیں تو ہمیں حقیقت نظر آئے۔"اس نے بے اختیار آسمان کی طرف دیکھا تھا جہاں ستارے عجب رنگوں میں چمکتے تھے۔

"اور وہ زمین کسی چڑے کے گیند کی طرح ہو گی جس کے بارہ حصے ہوتے ہیں۔۔۔وہاں دمکتا ہوا بنفشی رنگ، سنہرا اور برف سفید رنگ ہو گا، ایسے رنگ جو کسی نے دیکھے نہیں ہوں گے۔۔۔ہوا اور پانی کے اپنے رنگ ہوں گے۔وہاں پھل، پھول اور درخت ہوں گے اور پتھر یہاں سے زیادہ ملائم، چمکدار ۔۔۔زمرد، یشب اور عقیق سے زیادہ خوبصورت۔۔۔جو خراب نہیں ہوتے ہوں گے۔۔۔ٹوٹتے نہیں ہوں گے۔۔۔جو نگاہ کو خیرہ کر دیتے ہوں گے۔۔۔وہ جگہ جہاں پتھروں کو کوئی بیماری نہیں لگتی ہو گی ۔۔۔نہ جانوروں کو نہ پودوں کو۔۔۔"

"وہ کیسی جگہ ہو گی۔۔۔"اس نے چشم تصور سے اس جگہ کو دیکھنا چاہا تھا مگر ناکام رہی پھر کاغذوں پر جھک گئی تھی۔

روح اس جنت جیسی زمین پر جانے سے پہلے جن جن مقامات سے گزرے گی وہاں کی تفصیل اس نے ختم کر ڈالی مگر نیند ابھی بھی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔اس نے اگلا صفحہ سامنے پھیلایا۔

"اب مجھے نہالینا چاہیے تاکہ زہر پینے کے بعد میری لاش کو دھونا نہ پڑے۔۔۔"سقراط کے الفاظ پڑھتے ہوئے اس کو یکدم متلی سی محسوس ہوئی تھی اس نے کاغذ لپیٹ دیے، چراغ بجھا کر زبردستی

آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

رستاوی میں فتح کے بعد وہ اگلے جنگی لشکر میں شامل کر دیا گیا تھا۔۔۔ اس وقت وہ گوداری میں تھا یہاں ان کا سامنا روسیوں سے تھا۔

اسے گھر سے جدا ہوئے سال سے اوپر ہو چکا تھا۔انیس سال کی عمر میں اس نے اب تک بائیس لوگوں کے سر قلم کیے تھے جانے کتنے لوگ اس کی وجہ سے معذور ہوئے تھے۔۔۔یہ کیسا تناسب تھا۔اب خواب ہو یا حقیقت اسے خون اور سر ہی نظر آتے تھے۔

اس وقت ایزابیلا نے اس کے پاؤں میں آئے زخم پر شہد لگائی تھی۔اس نے لاشعوری طور پر پاؤں کو جھٹکا۔وہ اس کے ساتھ کیوں چلی آئی تھی۔۔۔اس نے سوچنا چاہا تھا۔

"بات ہو گئی تمہاری۔۔۔" شہد ایک طرف رکھتے ہوئے وہ وہیں بیٹھ گئی تھی۔

"ہاں تھوڑی سن گن ملی ہے کہ یہاں سے ایک گروہ روانہ کیا جائے گا کچھ دن تک اس میں مجھے بھی شامل ہونا ہے۔"

"تبلیسی کے قریب جنگ ہو رہی ہے سلجوقیوں سے۔۔۔ تمہیں وہ وہاں بھیج رہے ہیں۔۔۔" وہ مٹی پر انگلی سے صلیب کا نشان بناتے ہوئے بولی تھی۔

"میں ساتھ چلوں گی۔" وانو نے جواب میں کچھ کہا نہیں تھا لکڑی سے بنے گھر کی مہک تھی، ماں، باپ کی آوازیں تھیں، چھوٹے بھائیوں کے چہرے اور وہ سنہری لڑکی شدت سے سب یاد آ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

ان کا قافلہ منزل کو پہنچ گیا تھا یہ تبلیسی تھا ایلیجا کا تبلیسی۔اس نے یہاں کے قصے ان کی زبانی

سنے تھے جہاں دریا متکواری بہتا تھا۔وہاں کے ایک قدیم گرجا گھر کے سائے میں وہ کتنی دیر سوئی رہی تھی۔اب اسے یہاں سے ایک اور قافلے میں شامل ہونا تھا جسے ابھی ہفتے بعد نکلنا تھا۔وہ میر کارواں کے گھر ٹھہری تھی کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اس مقدس پہاڑ پر چڑھ آئی تھی جس کی چوٹی پر وہ گرجا گھر تعمیر کیا گیا تھا۔کتنی دیر یسوع کے مجسمے کے سامنے سر جھکائے بیٹھی رہی۔باہر نکلتے وقت گھنٹی بجائی ایک بار پھر سب کے لیے دعا کی اور نیچے اتر آئی۔

نیند پوری ہونے کے بعد اسے بھوک نے ستایا تھا۔

چھوٹے سے بازار سے گزر کر وہ واپس گھر پہنچی تھی۔بازار کیا تھا بس چند دکانیں تھیں۔دکانیں جن میں برتن، کپڑے اور دوسری ضروریات کا سامان تھا وہ چلتی رہی۔وہیں ایک عورت خدا کے سامنے قربانی پیش کرنے کے لیے سیاہ مرغیاں بیچ رہی تھی اسے پتا نہیں کیوں جھرجھری آئی تھی۔

گھر کا دروازہ ویسے ہی کھلا تھا جیسے وہ آتے ہوئے چھوڑ کے گئی تھی۔وہ آہستہ سے اندر داخل ہوئی۔یہ پورا ہفتہ اس نے اس گھر میں کھانا پکانے کی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔ان کے چھوٹے بیٹے سے اس کی اچھی خاصی دوستی ہو چکی تھی۔شام کو وہ دنوں باہر کھیلنے نکل جاتے۔

میر کارواں کی بیوی بچوں کے ساتھ وہ وہاں آبشار پر بھی گئی تھی۔جس کے پانیوں میں گندھک تھی۔۔۔شفا تھی وہ وہاں سے پانی پیتی تھی منہ دھوتی تھی۔اسے وہاں واپس پلٹ کر دوبارہ یہاں آنا تھا اپنے گاؤں جاتے ہوئے اور یہاں سے پانی کا مشکیزہ لیکر جانا تھا جیسے ایلیجا لیکر آیا کرتے تھے اب وہ ان کے لیے لیکر جائے گی۔

ایک ہفتے کے قیام کے بعد تبلیسی کی مہکتی سحر زدہ کرتی زمین کو چھوڑ کر وہ بورجومی جانے کے لیے قافلے میں شامل ہوئی تھی اور اگر وہ اس وقت اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتی تو پہچان نہ پاتی کہ

وہ خود ہے۔۔۔وہ اس قدر کمزور اور سیاہ رنگت ہو رہی تھی۔ابھی ایک دشوار سفر اس کے سامنے تھا اور وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ جو قربانی وہ دینے جا رہی ہے وہ بار آور ہو گی بھی یا نہیں۔۔۔وہ جس کے لیے جان جوکھوں میں ڈالنے جا رہی ہے وہ اس وقت زندہ بھی ہے یا نہیں مگر اس کا دل کہتا تھا کہ وہ زندہ ہے، اس کا دل کہتا تھا قربانی ایک انسان ہی ایک انسان کے لیے دے سکتا ہے۔۔۔اس کا دل کہتا تھا قربانی انسان کو معراج پر لے جاتی ہے۔۔۔اس کا دل کہتا تھا جن سے ہم محبت کرتے ہیں ان سے ہمیں نقصان نہیں پہنچ سکتا۔۔۔اس کا دل کہتا تھا۔۔۔

انگوروں کی کاشت سے گزرتی، دریا کے ساتھ چلتی، گھنٹیوں کی آوازیں سنتی، قافلے میں لوگوں کے درمیان جھگڑے دیکھتی، کبھی اخوت کے مظاہرے، اجرت پر کام کرتی، آدمیوں سے خوف کھاتی عورتوں کی باتوں سے بچتی بچوں کے ساتھ دوستی گھانٹتی چلتی چلی جاتی تھی۔

بورجومی میں دریائے بورجومولا کے سبز پانی بہتے تھے اور نیم گرم پانی کے چشمے تھے۔اس نے وہیں دریا کے کنارے آبادی کے پاس تھوڑی دیر قیام کیا تھا۔اس کو یقین نہ آتا تھا کہ وہ اتنا طویل سفر طے کر آئی ہے۔۔

یہاں سے آگے اسے خود جانا تھا۔پتھروں کے اوپر اور نیچے سے شور مچاتے پانی بہتے تھے قریب ایک کمرے میں درختوں کے تنے رکھے تھے، باہر ایک عورت چرچخلا بنا کر باندھ رہی تھی۔ایک ڈھابے میں شراب بک رہی تھی۔وہ وہاں بیٹھ کر درخت سے توڑے پھل کھاتی رہی جب تک کہ پیٹ نہیں بھر گیا پھر کچھ دیر کے لیے سو گئی تھی۔یہ علاقہ ترکی کی سرحد کے قریب تھا اس لیے یہاں حملے کا خطرہ بھی رہتا تھا۔خوف اگرچہ پہلے سے کم ہو گیا تھا مگر موجود تھا اور موجودگی کا احساس کرواتا تھا۔آنکھ کھلی تو دن چڑھ آیا تھا اب اسے اپنی منزل کی طرف بڑھنا تھا اس لاکھوں سال قدیم غار کی طرف جس کے اندر دریا بہتا تھا۔وہ گھوڑے پر سوار ہوئی تھی، نقشہ ہاتھ میں شدید ٹھنڈ کے باوجود پسینے میں نچڑتا تھا۔پسینہ

سر سے بہتا چہرے پر پھیلتا تھا۔ اس غار کا راستہ گھنے جنگل میں سے ہو کر گزرتا تھا۔وہ دھڑکتے دل کے ساتھ جنگل میں داخل ہوئی ، سورنجان کا جنگل جہاں گہری سبز چمکتی ہوئی جھاڑیاں تھیں، راش کے اور فر کے درخت ، کوہ قاف کے نایاب پودے۔کاراخراماں خراماں اس مدہوش کر دینے والی خاموشی میں درختوں کے درمیان رستہ بناتا چلتا تھا۔درختوں کے نم پتے اس کی پیشانی اور چہرا چھو جاتے تھے۔خاموشی اتنی گہری تھی کہ وہ اس وقت اپنے دل کی دھڑکن سن رہی تھی۔

اس وقت ایک لمبی ناک والا بونا لال ٹوپی پہنے بھوری لکڑی والے چھوٹے سے درخت سے پھسل کر نیچے اترا اس کے پیچھے اک ہری ٹوپی پہنے اس کا دوست۔ایما کی موجودگی کا احساس ہوتے ہی وہ ڈر کر شجر کے پیچھے ہوئے تھے۔ایما نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا مگر اسے کوئی نظر نہیں آیا سوائے دور دور تک زمین پر پھیلی ہری کائی کے قالین کے ، یہ گہری سبز موسس پتھروں پر اور درختوں کے پورے پورے تنوں کو ڈھانپے ہوئے تھے۔جامنی رنگ جنگلی پھول ان میں جھانکتے تھے جیسے اس وقت وہ چار بڑی بڑی خوفزدہ آنکھیں یہ لاکھوں سال کی تنہائی میں کون مخل ہوا تھا۔گندھک کا بلبلہ زہرہ کی زمین پر بہتی ندی میں بن کر پھٹا تھا۔کیا تم میرے لیے زہرہ تک جاؤ گے۔۔۔

وہ سہمی سہمی آگے بڑھتی گئی۔

ایک تتلی نے اسے دیکھا وہ عجب رنگوں میں ایما اور اس کے گھوڑے کو دیکھتی تھی کہ اس کی آنکھیں خدا نے ایسی بنائی تھیں۔اسے خوف سے رونا آیا تھا ابھی تو وہ غار میں داخل بھی نہیں ہوئی تھی۔

چلنے سے پہلے اس نے ایک نئی مشعل اور چونے کا پانی خریدا تھا۔ہر تھوڑی دیر بعد وہ لاشعوری طور پر نقشے اور ان کی موجودگی کی یقین دہانی کرتی تھی۔ ۔

تقریباً دوپہر کے وقت وہ اس غار کے دہانے پر تھی۔

وہاں وہ تھمی تھی، کارا کو اس نے وہیں ایک درخت سے باندھا پھر مشعل روشن کی اور ورد

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

کرتی غار کے اندر داخل ہوئی وہاں شروع میں ہی اسے ایک عجب الخلقت جانور کے پنجے کا نشان نظر آیا وہ تھوڑا سہم کر آگے بڑھی آگے اسی طرح کے نشان کافی تعداد میں تھے مگر حجم کم تھا اگر ابھی اس سے سامنا ہو گیا اس کے جسم پر سوچ کر ہی کپکپی طاری ہوئی تھی۔وہ پتھریلے راستے پر آگے بڑھتی گئی تھی۔ مشعل کی روشنی میں اس کا سایہ اس کے ساتھ چلتا تھا۔

باہر کی نسبت اندر درجہ حرارت معتدل تھا فضا میں ایک عجب تازگی تھی گھٹن کا احساس نہیں تھا۔

کہیں دور زیر زمین دریا کے بہنے کی آوازیں آرہی تھی۔

چند چمگادڑوں کے پھڑ پھڑانے کی آوازیں تھیں جو بہت اوپر اڑتی تھیں کہ یکدم اس کے سامنے جگنوؤں کی طرح روشن مگر بڑی جسامت کی مخلوق گزری تھی اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔اس کے دل کی دھڑکن یہ لاکھوں سال پرانا غار سن رہا تھا اس کی دیواروں اور چٹانوں پر اس کی دھڑکن منقش ہوتی جارہی تھی۔

کچھ دیر چلتے رہنے کے بعد اس کا خوف کم ہو گیا تھا اب وہ ذرا اعتماد سے قدم آگے بڑھا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

زخم ایسا تھا کہ اس کے بچنے کی امید کسی کو بھی نہیں تھی مگر وہ بچ گیا تھا۔۔۔وہ تبلیسی کے نزدیک کہیں موجود تھا۔سلجوقیوں نے انہیں زبردست ٹکر دی تھی اور وہیں وہ شدید زخمی ہوا تھا۔اس نے اگلے کئی دن شدید ٹھنڈ میں بمشکل سانس لیتے ہوئے سوچا تھا وہ کیوں بچ گیا تھا۔

وہ جو اس کے ساتھ چلی آئی تھی اور جس سے وہ پوچھ نہیں سکا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کیوں چلی آئی ہے۔۔۔جس کی ماں کھیتوں میں انگوروں کے خوشے چنتی تھی اور باپ اصطبل میں کام کرتا تھا اور جس نے کہا تھا میں ہوں اور یونہی ہوں وہ اس وقت تابوت میں بند تھی۔اس نے مرتے وقت اس سے

کہا تھا کہ اس کی لاش وہ اپنے ساتھ اپنے گاؤں لے جائے۔۔۔اس کو یہ پوچھنے کا موقع ہی نہیں ملا کہ وہ یہ کیوں کہہ رہی تھی اگرچہ وہ جانتا تھا۔

اور اب جبکہ وہ محاذ پر بیکار ہو چکا تھا تو اسے واپس لوٹنا تھا اور یہ تکلیف دہ تھا۔۔۔اس طرح لوٹنا تکلیف دہ تھا۔وہاں سے گاؤں کی طرف سفر کرنے سے پہلے وہ اس مقدس پہاڑ کی چوٹی پر بنے گرجا گھر آیا تھا۔ کتنی دیر وہاں کی دھند سے نم ہوتی دیواریں چھوتا رہا ان پر لکھی عبارتیں پڑھنے کی کوشش کرتا رہا، کچھ محسوس کرتا رہا۔یہاں سے کوئی اپنا گزرا ہے کوئی قریبی۔۔۔راستے میں پھیلی خوشبو بتاتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہاں عجب سی لکھائی میں کچھ لکھا تھا پتا نہیں کتنے ہزاروں سال پرانی تحریر تھی جو پتھر پر کندہ تھی۔ کہیں ایسا لگتا تھا بندر حنوط ہو۔ ایک جگہ اسے ایک عورت اور مرد کی شبیہ پتھر میں حنوط نظر آئیں وہ ڈر کر تیزی سے آگے بڑھ گئی پھر پلٹ کر اس کھلے احاطے کو دیکھا۔کیا پتا وہ یہاں رہتے ہوں یہاں ان کے بچے کھیلتے ہوں وہ پتھروں کے اوزاروں سے زمین کھود کر زراعت کرتے ہوں یا شکار۔رات کو آگ جلا کر گوشت بھونتے ہوں۔۔۔جانوروں کو خود سے دور رکھنے کی سعی کرتے ہوں تو یہ احاطہ محبت ہوا اور شاید وہ روشنی کے پنکھ والی مخلوق وہ ان کی دوست ہو۔

وہ ذہن میں کوئی قدیم کہانی بنتی آگے بڑھتی گئی تھی کچھ پلوں کے لیے اسے یہ بھی بھول گیا تھا وہ کیوں آئی ہے۔ چھت سے اُگے کلسی رسوب جو چونے کے پتھروں اور پانی کے آپس میں رد عمل سے وجود میں آتے ہیں، فرشی کلسی رسوب ، قدرتی ستون جو ان دونوں کے آپس میں مل جانے سے وجود میں آتے ہیں وہ ان کو چھو کر بھی دیکھ لیا کرتی تھی۔یکدم اسے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔اس نے پلٹ کر دیکھا نگاہ میں ایک دیو قامت سایہ ابھرا ۔بغیر رکے وہ چٹانوں سے رگڑیں کھاتے بھاگتی چلی گئی

وہ سایہ اس کی طرف تیزی سے بڑھا تھا۔ بمشکل سانس لیتی وہ ایک چٹان کے پیچھے جا چھپی تھی۔ وہ دیو قامت ریچھ جس کی سانس کی آواز سارے غار میں گونج رہی تھی اسے ایسے لگا اس کی جان نکل جائے گی۔ اس پل اسے اپنی موت نظر آئی تھی۔۔۔ وہ نہیں جانتی تھی وہ ریچھ سے بچ کر نکل سکے گی یا نہیں۔۔۔ دریا اب نزدیک تھا اس کی آواز اس کے کانوں میں بلند ہوری تھی۔ اسے وہ پانی اور جڑی بوٹیاں چاہیے تھیں لازمی چاہیے تھیں۔ وہ دم سادھے بیٹھی تھی، آنسو گالوں پر پھسل رہے تھے ۔۔۔ اسے لگا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے گی۔ اس وقت وہ سانس بھی نہیں لینا چاہتی تھی۔ اسی حالت میں پتا نہیں کتنی دیر گزری تھی اس نے کافی دیر بعد جھانک کر دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھا۔ کیا وہ واقعی چلا گیا ہے۔۔۔ اسے کافی دیر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ سانس لیتی تھی اور اس سے بھی آہستہ قدم دھرتی آگے بڑھتی تھی۔

کچھ ہی پلوں میں دریا شروع ہو گیا اس کی جان میں جان آئی۔ یہ کیا تھا وہ حیرت سے اس دریا کو تکتی تھی جو زیر زمین بہہ رہا تھا۔ ہپناٹائز سی وہ دھیرے دھیرے راستہ بناتے چلنے لگی۔

اسے اس آبشار تک جانا تھا جو اس دریا میں گرتی تھی۔ یہ شفا والے پانی تھے بلا آخر اسے آبشار نظر آئی اس نے پہلے اچھی طرح تسلی کی کہ وہاں اس وقت کوئی جانور نہیں ہے پھر نیچے اترتی چلی گئی کچھ دیر میں وہ وہاں اس زیر زمین دریا کے کنارے پر تھی جہاں نم پتھروں کی مہک تھی اور قدیم انسانوں کی یاد۔ وہاں اس نے پانی کے پانچ مشکیزے بھرے اور وہ مخصوص جڑی بوٹیاں جس کی نشاندہی جوزف نے کی تھی اکٹھی کیں۔ وہاں دریا میں صدف اتنے خوش رنگ اور خوبصورت تھے کہ اس کی نگاہیں خیرہ ہوئی تھیں۔ یہ کیا تھا جسے وہ پہلی بار دیکھ

رہی تھی۔۔۔ وہ پہلی تھی جو دیکھ رہی تھی۔

ایک صدف اٹھا کر اپنے تھیلے میں ڈالا پھر اسی آہستگی سے واپس نکل آئی۔ جوزف نے کہا تھا دریا

کے قریب ہی غار کا دوسرا دہانہ ہو گا اور اگر وہاں راستہ نہ ہوا تو جہاں سے داخل ہوئی تھی وہیں سے واپس باہر نکل جانا۔وہ ورد کرتی آگے بڑھتی

گئی تھی کہ دوسرا سوراخ یہیں ہو۔

جب اسے روشنی کی لکیر نظر آئی آنسو بے تاب ہو گئے،وہ دوڑتے ہوئے باہر نکلی باہر نکل کر بھی کتنی دیر وہ ڈر کے مارے رکی نہیں تھی۔شام ہو رہی تھی وہ اب جنگل میں جہاں سے غار میں داخل ہوئی تھی اس طرف بھاگ رہی تھی۔اچانک سامنے سے لومڑی کا بچہ گزرا تھا۔اس نے خود بمشکل گرنے سے روکا۔وہ نیزہ سنبھالے ایک درخت کی اوٹ میں ہوئی تھی اگر بچہ تھا تو یقیناً ماں کہیں آس پاس تھی

۔

وہ تذبذب میں کتنی دیر وہاں جمی رہی۔کافی دیر تک جب کوئی ہلچل نہیں ہوئی تو بچے سے ذرا فاصلہ رکھتے ہوئے وہ پھر دوڑنے لگی تھی کہ رکنا موت تھی اس کی ہی نہیں ایلیجا کی بھی۔کارا تک پہنچ کر اس کی جان میں جان آئی۔اس پر سوار ہو کر وہ جنگل سے باہر نکلتی چلی گئی مگر چلتے چلتے ہی رات ڈھل آئی تھی رکنا اب اس کی مجبوری تھی۔

وہیں ہو کتی ویرانی میں ایک کھلے قطعے میں اس نے چادر بچھائی اور ایک اپنے اوپر اوڑھ لی۔کھانے کے نام پر چرچھلا کے چند ٹکڑے نگلے تھے۔رات زبردستی آنکھیں موندے، جانوروں کی آوازوں اور کیڑوں کی سرسراہٹوں کے باعث کانپتے ورد کرتے جانے کب آنکھ لگی تھی صبح آنکھ کھلی تو مشعل بجھ چکی تھی کارا گھاس چر رہا تھا اور چاق و چوبند تھا۔سورج آنکھوں میں گھسا چلا آیا تھا،مسکان یکدم اس کے ہونٹوں پر ابھری۔اس کا دل چاہا قہقہے لگائے رقص کرے سارے عالم کو اپنی خوشی میں شریک کر لے۔خوشی سے آنسو گالوں پر پھسلتے جاتے تھے۔وہ لرزتے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوئی۔

ایک سیکنڈ بھی رکے بغیر گھوڑا دوڑاتی اس جنگل،ان پھولوں،ان بونوں اور پریوں،اس ریچھ اور

لومڑی کے بچے، اس بندر اور عورت مرد کے حنوط شدہ مجسمے سب کو پیچھے چھوڑتی باہر نکلتی چلی گئی۔

بورجو مولا کے کنارے اس نے باگیں کھینچی تھیں۔ وہاں جہاں سنہری گایوں کے گلے میں گھنٹیاں بجتی تھیں وہ بے دم تھی مگر مسکرا رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا وہ کامیاب ہوئی ہے۔۔۔ کتنی دیر بیٹھی پھر سسکتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بورجو مولا سے تبلیسی جانے والے قافلے میں تین دن بعد شامل ہو گئی تھی وہ تین دن اس نے وہاں کی گلیوں اور بازار میں پھرتے گزارے تھے۔ سفر کے دوران وہ پانی اور جڑی بوٹیوں کو یوں سنبھالتی تھی جیسے ہیرے ہوں۔ لوگ اسے عجیب نظروں سے دیکھتے مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔ بس اب گھر پہنچنا تھا ماں سے ملنا تھا ایلیجا سے۔ راستے میں انہیں خبر ملی تھی کہ تبلیسی کے قریب سلجوقیوں پر فتح ہوئی ہے۔ قافلے والے ناچنے لگے تھے۔ اس رات جشن تھا۔ اسے گوشت کا ایک ٹکڑا ملا تھا گھر سے نکلے ڈیڈھ ماہ سے اوپر ہو چکا تھا، یہ پہلا گوشت کا ٹکڑا اس نے حلق سے اتارا تھا۔

اس رات انجیل پڑھتے پڑھتے اسے نیند آئی تھی گہری پر سکون نیند۔

تبلیسی سے گزرتے ہوئے اس نے آبشار سے پانی لیا تھا۔ کچھ وقت قافلہ وہاں ٹھہرا رہا تھا اور کچھ دن بعد وہ اسی گاؤں میں تھی جہاں انہوں نے آتے ہوئے پہلا پڑاؤ ڈالا تھا۔

"کیا وہ تمہیں ملا۔" وہ جو نیند کی وادی میں اترنے والی تھی لڑکی کی آواز پر چونکی۔۔۔ وہ وہی لڑکی تھی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں ملا۔" اس نے پتا نہیں کیوں اس کو جواب دیا تھا۔

شاید اس کو کسی نے سالوں بعد اس کی بات کا جواب دیا تھا۔ "وہ پلکیں جھپکائے بغیر کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

"کیا کوئی امکان ہے۔" اتنی ویران آنکھیں ایما کو جھرجھری آئی تھی۔

"نہیں۔۔۔ کوئی امکان نہیں ہے۔" اس نے دل کڑا کر کہا۔

وہ اضطراب میں سر کھجانے لگی۔

"میں روز اس کا انتظار کرتی ہوں۔۔۔ اگر ملے تو اسے کہنا۔۔۔

اسے کہنا میں کسی اور مٹی میں نہیں جی سکتی۔۔۔ یہ لوگ مجھے اکھاڑنے کی کوشش کرتے ہیں کہیں اور بونے کی کوشش کرتے ہیں۔" اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"تم اُسی مٹی میں جیو۔۔۔ کسی کو خود کو اکھاڑنے مت دو مگر جیو۔۔۔ یہ تو موت ہے جو تم پر طاری ہے۔"

"کیا محبوب کے فراق میں جیا جا سکتا ہے؟"

"ہاں اگر ایک بات تمہیں سمجھ میں آ جائے تو۔"

"وہ کیا؟" وہ کسی پیاسے کی طرح اس سے سوال کر رہی تھی۔

"فراق کہاں ہے۔۔۔ فراق نہیں ہے۔۔۔ خدا تمہیں نظر آتا ہے؟"

"نہیں۔۔۔"

"کیا وہ تم پر جفا کرتا ہے۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ اکثر۔"

"مگر تم اسے دل میں بسائے ہوئے ہو۔۔۔ کیونکہ تم جانتی ہو اس کی جفا۔۔۔ جفا نہیں ہے۔۔۔ یہ ہی حقیقت اور یہ ہی مجاز ہے۔۔۔ اس نے تم پر جفا کی وہ تمہیں نظر نہیں آتا مگر وہ تمہارے اندر بستا ہے اتنا کافی ہونا چاہیے۔۔۔ اگر یہ عشق حق ہے تو۔۔۔" وہ اسے کچھ دیر عجیب نظروں سے دیکھتی رہی۔

"اس کا انتظار کرنے کے بجائے اس کی موجودگی کو محسوس کرو اور جیو۔۔۔ اپنے سے جڑے ان

پیارے لوگوں کے چہرے دیکھو جو تمہارا پہلا فرض ہیں جن کے سوا کوئی تمہاری اصل قدر نہیں پہچانتا۔"
وہ بغیر کچھ کہے اٹھ کر چل دی تھی ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

سب کو پتا تھا کہ ایک جھریوں زدہ وجود ، آنکھوں میں وحشت لیے روز گاؤں کے مغربی کنارے پر سورج کے زوال کے وقت آتا ہے اور رات گئے وہیں کسی کی راہ تکتا ہے۔ سب کو لگنے لگا ہے ایلیجا سے پہلے انہیں اسے دفنانا ہو گا۔ ایلَن کو۔ وہ یہاں بیٹھ کر اپنی بیٹی کا انتظار کرتی ہے جوزف نے اسے بتایا ہے کہ اگر وہ لوٹی تو اسی راستے سے لوٹے گی۔

اور پھر ایک دن اس کا انتظار ختم ہوا تھا۔

سورج غروب ہو رہا تھا زرد روشنیوں میں گاؤں اور ہر چیز سیاہ سائے میں تبدیل ہو گئی تھی ایلَن نے دیکھا دو سیاہ گھوڑے گاؤں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔۔۔ اتنی دوری کے باعث بھی وہ پہچان گئی تھی ایک گھوڑے پر لڑکی سوار ہے اور دوسرے پر لڑکا وہ دونوں مختلف سمتوں سے دوڑتے چلے آ رہے تھے۔

وہ گھوڑا جس پر لڑکی سوار تھی آگے تھا اور اس تک پہلے پہنچ گیا تھا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی لڑکی نے گھوڑے کی باگ کھینچی تھی۔ ماں اس کی آواز آسمان تک گئی تھی وہ اتر کر اس سے لپٹ گئی۔

اور اسی وقت دوسرا گھوڑا قریب آیا تھا ایما نے پلٹ کر دیکھا وانو گھوڑے سے یکدم نیچے گرا تھا گھوڑے پر ایک تابوت بندھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اور پھر سب نے دیکھا ایک کمزور ناتواں لڑکی اس گھر میں داخل ہوئی تھی جہاں جانا سب ترک کر چکے تھے۔ وہ جا کر ایلیجا کے سینے سے ویسے ہی لگی تھی جیسے بچپن میں وہ جب دور سفر سے آیا کرتے تھے تو لگا کرتی تھی۔ انہیں پانی پلایا پھر جڑی بوٹیوں کی دوائی جو جوزف نے بنا کر دی تھی کھلائی کچھ ضروری

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

ہدایات دیں اور وہ جو آدھے ہوش میں آدھے ہوش سے بیگانہ تھے، شدید تکلیف میں کہ آنکھیں دھندلا جاتی تھی اس کی موجودگی کو محسوس کر کے نحیف سا مسکراتے تھے۔

باہر نکلی تو وانو نظر آیا وہ اسی طرف آرہا تھا اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا مگر یہ مسکان کیسی تھی اس نے اس سے زیادہ خوبصورت مسکراہٹ اور چہرا پہلے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ کیا کسی جنگ میں بازو کی قربانی دے دینے سے کسی کا چہرا اتنا خوبصورت ہو جاتا ہے۔

کچھ دیر کے بعد وہ دونوں ایک قبر کے کنارے کھڑے تھے اور سورج اگتا دیکھ رہے تھے۔

"کیا ایلیجا ٹھیک ہو جائیں گے اور دوبارہ سفر پر نکلیں گے۔" ایمانے بغیر بولے وانو سے پوچھا تھا۔

"قربانی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔" وانو نے بغیر بولے جواب دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

باقی آئندہ

اس قسط پر اپنی رائے کامنٹ باکس میں دیں

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com